بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا.

(پ: ۱۰، س: التوبۃ، آیت: ۴۰)

اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند رہی۔

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

جلد: 2 | محرم 1433ھ / دسمبر 2011ء | شمارہ: 12

مؤسس ومسؤل:

مفتی محمد سعید خان

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

فہرست مضامین

پتہ برائے خط و کتابت :

① الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک،
اسلام آباد۔ پوسٹ کوڈ 46001

② الندوہ ۔ پوسٹ بکس نمبر 1940
جی ۔ پی ۔ او۔ اسلام آباد

E-Mail: alnadwa@seerat.net

فون نمبر: 0300-5321111
0333-8383337

www.seerat.net

برائے ترسیل زر :

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاونٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان.

پاکستان فی پرچہ: 25 روپے

پاکستان سالانہ: 300 روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم حدیث اور اہل بدعت

ائمہ اھل السنۃ والجماعۃ نے اپنی اپنی کتبِ حدیث میں ان رواۃ کی احادیث نقل کی ہیں، جو اپنی اخلاقیات کے اعتبار سے نہایت سچے اور کھرے افراد تھے لیکن اپنے عقیدے کے اعتبار سے، بدعتی تھے۔ اکابر محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد سجستانی اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے ان اہل بدعت کی روایات اسی وجہ سے لے لیں کہ یہ بدعتی ہونے کے باوجود سچے اور کھرے تھے یہ بالکل درست اور ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے کردار وگفتار میں سچا ہو لیکن اپنے عقیدے کے اعتبار سے بدعتی ہو۔ حتیٰ کہ اس دنیا میں یہ بھی عین ممکن ہے کہ کوئی اپنے شخص اپنے عقیدے کے اعتبار سے تو کافر ہو لیکن اپنی روزمرہ گفتگو اور نقلِ خبر وروایت میں بالکل سچا ہو، یہ الگ بات ہے کہ دین کے معاملے میں کافر کی روایت سے پرہیز کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ائمہ احادیث قول وکردار کے سچے اور عقیدے کے بدعتی افراد سے روایات حدیث لیتے رہے ہیں لیکن ہمیشہ یہ احتیاط کرتے رہے ہیں کہ اس راوی کا عقیدہ صرف بدعات کی حد تک نادرست ہو، ان کی یہ بدعت، کفر کی حدود میں داخل نہ ہوتی ہو۔

اصول حدیث کی کتابوں میں محدثین اپنی اصطلاح میں اس مندرجہ بالا اصول کو اس طرح سے بھی بیان کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک بدعت دو قسم کی ہوتی ہے۔

① **بدعت صغریٰ**.اور یہ وہ بدعت ہے، جو عقیدے یا عمل میں، ہوتی تو ہے لیکن اس کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، البتہ اسے بدعتی کہا جاسکتا ہے۔ یہ شخص اگر چہ لوگوں کو اپنی اس بدعت کی دعوت ہی کیوں نہ دیتا رہا ہو یا لوگوں کو اس بدعت کی طرف مائل ہی کیوں نہ کرتا رہا ہو پھر بھی اگر وہ دیگر اصول حدیث پر پورا اُترتا ہے تو اُس کی روایت لی جائے گی۔

② **بدعت کبریٰ**. یہ وہ بدعت ہے جس کی حدود کفر سے جاملتی ہیں۔ایسا شخص خواہ اس بدعت کی دعوت دے یا نہ دے، بہر حال اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی خواہ یہ شخص اپنے کردار میں کیسا ہی سچا اور کھرا کیوں نہ ہو۔

چنانچہ تمام اُمت کے فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ بدعت صغریٰ کے مرتکبین کی روایات ہمیشہ قبول کرتے رہے ہیں۔

حضرات فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ نے یہ اصول قائم کیا اور پھر وہ رواۃِ حدیث کو اسی اصول پر پرکھتے چلے گئے ہیں کہ کس راوی میں کیا بدعت تھی۔اور جب کسی کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہوتی تھی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا اور اگر وہ بدعت درجۂ کفر سے کم تھی اور اس راوی میں دیگر کوئی جھوٹ اور دھوکہ دہی وغیرہ کا عیب نہیں پایا جاتا تھا، تو انہوں نے اس کی روایت کو قبول کر لیا۔

اس اصول ہی کے مطابق حدیث کی کسی روایت میں جب کسی شیعہ راوی کا نام آیا تو حضرات فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ نے نہایت انصاف اور دانش مندی سے کام لیا اور طے کیا کہ اگر کوئی راوی محض شیعہ ہے اور اس کی بدعت حد کفر سے کم ہے تو اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔مثلاً ایک راویٔ حدیث میں اس کے علاوہ کوئی قباحت نہیں پائی جاتی کہ وہ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے افضل مانتا ہے یا وہ حبّ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم میں مبالغے سے کام لیتا ہے، تو یہ امور عقیدے کی ان معمولی بدعات میں سے ہیں، جن کی وجہ سے کسی سچے اور صحیح آدمی

کی روایتِ حدیث ترک نہیں کی جاسکتی ،خواہ اُسے عرف عام میں شیعہ ہی کیوں نہ کہا جائے اسی اصول کے تحت ائمہ اھل السنۃ ،حضرت امام بخاری ، امام مسلم ، امام ترمذی ، امام ابوداوٗد اور امام نسائی رحمہم اللہ اوران کے علاوہ بھی دیگر بے شمار محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں اہل تشیع سے روایاتِ حدیث نقل کی ہیں۔

پھراسی اصول کے مطابق اگر روایتِ حدیث میں کوئی ایساراوی آگیا جوشیعہ نہیں بلکہ رافضی ہے کہ اس کی بدعت حد کفر تک پہنچتی ہے تو پھراس کی روایتِ حدیث نہیں لی جائے گی۔مثلاً کوئی ایسا راویٔ حدیث ہے،جس کا عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دنیا میں دوبارہ واپس تشریف لائیں گے یا پھروہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سبّ وشتم کا قائل ہے تو یہ شخص رافضی ہےاوراس کی روایت نہیں لی جائے گی گویا کہ ان حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ نے شیعیت اوررافضیت میں فرق کیااورشیعہ کی روایت تولی مگر رافضی کی روایت کوچھوڑ دیا۔

اس اصول کی تفصیل ’’ھدي الساری‘‘ لابن حجر العسقلانی ، ’’تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی‘‘، ’’الفیض السمائی علی سنن النسائی ‘‘ ، ’’المدخل للحاکم نیشاپوری مع تحقیق احمد بن فارس السلوم ‘‘ اورمقدمہ ’’اعلاء السنن‘‘ للشیخ ظفراحمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین،اوراصول حدیث پران محولہ کتب کے علاوہ ائمہ حدیث نے جوکتابیں لکھی ہیں، میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ھدي الساری میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ ایسے رواۃ کے نام گنوائے ہیں،جن کی احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں اوروہ رواۃ شیعہ ہیں۔یہاں تک کہ انہوں نے عباد بن یعقوب کا تذکرہ بھی کیاہے کہ وہ رافضی تھےلیکن حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہےاورحضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کے یہ تمام شیعہ راوی، اس معنی میں شیعہ ہیں جس معنی کی تشریح اصول حدیث کے مطابق کی گئی ہے اور اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ایسے شیعہ سے روایت حدیث قابل قبول نہیں ہے تو پھر اسے چاہیے کہ صحاح ستہ کی کتابوں سے اور خاص کر صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی اصول کے قائل تھے کہ رافضیوں سے روایت نہ لی جائے، ان کے متعلق خطیب بغدادی نے یہ جو روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابوعصمۃ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کس سے سنا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہر اس شخص سے سنو جو اپنی بدعات (ہویٰ) میں اعتدال سے کام لیتا ہو لیکن دیکھو شیعہ راویوں سے روایت نہ لینا کیونکہ ان کا اصل مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گمراہ تھے۔ ①

اس روایت میں حضرۃ الامام رضی اللہ عنہ کی مراد وہ شیعہ ہیں جو رافضی ہیں کیونکہ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دین، وحی، کتاب اور سنت کی تصدیق کرنے والے اور اسلام کے مذہب حق ہونے کے پہلے گواہ ہیں، ان پر جرح کی جائے، ان کی ثقاہت پر تہمت لگائی جائے اور انہیں نا قابل

---

①حدثنا عمر بن إبراهيم قال : سمعت ابن المبارك يقول : سأل أبو عصمة أبا حنيفة : ممن تأمرني أن أسمع الآثار ؟ قال : من كل عدل في هواه ، إلا الشيعة ، فإن أصل عقدهم تضليل أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم .

(الكفاية فى معرفة أُصول علم الرواية،باب ذكر بعض المنقول عن آئمة أصحاب الحديث في جواز الرواية عن أهل الأهواء والبدع ، رقم الحديث:٣٣٨،ج:١،ص:٣٨٢)

اعتبار ٹھہرایا جائے تاکہ دین کے یہ ستون کمزور قرار پائیں اور اسلام کی عمارت گر جائے، اور اگر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے مراد مطلقاً ہر شیعہ راوی مراد لیا جائے تو پھر حدیث وسیرت کے بہت بڑے حصے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

شیعہ اور رافضی رواۃ کے فرق کے اصول کو صحیح طور سے سمجھنے کے بعد یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بہت سے منکرین حدیث، ناصبی اور بعض اہل حدیث حضرات اس اصول کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ سیدھے سادھے، عام، سادہ لوح افراد جو محض اُردو زبان کی کتابوں سے دین کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ـــ اور اپنی اس کوشش میں مخلص بھی ہوتے ہیں ـــ ان دھوکہ دینے والوں کے فریب میں آجاتے ہیں اور راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔ یہ حرکت منکرین حدیث تو اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں علم حدیث کو غلط ثابت کر کے اس پاک علم سے اپنی جان چھڑانی ہوتی ہے اور اس علم کو بے اصل ثابت کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ جب بھی کسی ایسی حدیث کو دیکھتے ہیں جس میں کوئی راوی شیعہ ہو تو فوراً یہ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث میں تو شیعہ راوی ہے اور شیعہ جھوٹے ہوتے ہیں تو تمہاری کتابوں میں کیسی کیسی جھوٹی روایاتِ حدیث، ان جھوٹے شیعوں کی بھری پڑی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور لوگوں کو، انکار حدیث کے فتنے میں مبتلا کر دیتے ہیں، ان منکرین حدیث کی کتابیں پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیسے کیسے دھوکے دیتے ہیں اور ایک صحیح اصول کو کیسے غلط استعمال کرتے ہیں۔

کچھ یہی حال ان ناصبیوں کا بھی ہے کہ انہیں ہر اس روایت کا انکار کرنا ہوتا ہے جس میں اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی منقبت بیان ہوئی ہو اس لیے جو روایاتِ حدیث ان ناصبیوں کے خلاف پڑتی ہیں اگر اس حدیث میں کوئی شیعہ راوی آجاتا ہے تو یہ فوراً اس حدیث کا انکار بھی کر دیتے ہیں اور شور مچانے لگتے ہیں کہ دیکھو یہ حدیث تو شیعوں کی روایت ہے اس لیے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیئے

جانے کے قابل ہے۔بس عام مسلمان ان کے اس دھوکے میں آجاتے ہیں اور ناصبیت کی راہ اختیار کرلیتے ہیں صحیح اصول کے غلط استعمال کی یہ ایک واضح مثال ہے اور اگر آپ مولانا علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب کی کتاب ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' کی چار جلدیں اور دیگر ائمہ نواصب کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو یہ جان جائیں گے کہ یہ کس طرح دھوکہ دے کر ناصبیت کی راہ ہموار کرتے ہیں اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت اور حنفی فقہاء کثر اللہ سوادھم پر اعتبار کو مسخ کرتے ہیں۔

بعض اہل حدیث حضرات بھی اپنے مسلک کے دفاع کے لیے جب میدان مناظرہ میں اُترتے ہیں یا عوام کو تقلید کے خلاف بھڑکانا ہوتا ہے تو اپنے مسلک کے خلاف پڑنے والی تمام روایات کو فوراً یہ کہہ کر ردّ کردیتے ہیں کہ اس کی سند میں تو فلاں راوی شیعہ ہے، لہٰذا یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے۔

عام عوام صحیح اصول کو نہ جاننے کی وجہ سے اس دھوکے کا شکار ہوجاتے ہیں اور راہ کھوٹی ہوجاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیعہ راویٔ حدیث اور رافضی راویٔ حدیث دونوں کے فرق کو جاننا چاہیے تاکہ اسلام اور شریعت کو پڑھنے، سننے اور لکھنے والا فرد، غلط راہ پر نہ چل پڑے۔

اس لیے کسی بھی حدیث کی سند میں جب کوئی ایسا راوی آئے جو ''شیعہ'' ہو (رافضی نہ ہو) یا اہل بدعت میں سے ہو تو اس کی روایت سنتے ہی فوراً ردّ نہیں کردینی چاہیے بلکہ اس راوی کے متعلق محققین نے جو کچھ اپنی کتابوں میں بحث اور فیصلے کیے ہیں، پہلے انہیں پڑھ لینا چاہیے۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے اکابر محدثین، اہل بدعت کی روایتِ حدیث کو کیسے قبول کرتے ہیں؟ اس کی دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں اور ان دونوں مثالوں میں بہت سے ضمنی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

پہلی مثال تو یہ ہے کہ جیسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں عمران بن حطان بدعتی کی روایت نقل کی ہے۔

عمران بن حطان یہ مشہور تابعی ہیں اوراس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی زیارت کی ہے اس وجہ سے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کہنے کو تو یزید اور حجاج ابن یوسف بھی تابعین میں سے تھے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو اگر کافر نہیں تو فاسق تو یقیناً تھے ان کی تابعیت نے انہیں کچھ نفع نہ دیا۔ بعض مؤرخین کو جو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ عمران، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے تو یہ بات درست نہیں ہے اگر یوں ہوتا تو وہ تو درجۂ صحابیت میں پہنچ جاتے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابۃ'' میں اس غلطی کی تصحیح کی ہے، عمران اپنے ہم مسلک خوارج کے امام تھے اوراگرچہ خوارج کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو جہاد کو اچھا نہیں سمجھتے تھے لیکن جب عبدالرحمٰن بن مُلْجَم نے خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا تو عمران نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا اوراس بدبخت قاتل کی موت پر اس کا مرثیہ بھی لکھا اوراس میں یہ مدحیہ اشعار بھی کہے۔ (۱)

يَا ضَرْبَةً مِنْ تَقِيٍّ مَا أَرَادَ بِهَا إِلَّا لِيَبْلُغَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ رِضْوَانَا

إِنِّي لَأَذْكُرُهُ يَوْماً فَأَحْسُبُهُ أَوْفَى الْبَرِيَّةِ عِنْدَاللّٰهِ مِيزَانَا

واہ واہ، اُس (ابن مُلْجَم) پرہیزگار نے کیا وار کیا ہے اور کرنے والے (ابن مُلْجَم) کی، اس وار سے کوئی غرض نہ تھی، سوائے اس کے کہ اس نیکی سے عرش کا مالک، اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوش ہوجائے۔

میں جب اس وار کو یاد کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس (ابن مُلْجَم) کی یہ نیکی، تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہوگی۔

(۱) الإصابة، حرف العين، رقم: ٦٨٩١، عمران بن حطان، ج:٥،ص:٢٣٢.

یہ اشعار بتاتے ہیں کہ عمران، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پہ کتنے خوش تھے اور حد ہے کہ اس قتل ناحق کے مرتکب کو مبارک باد دے رہے ہیں۔

اھل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے امام ابوالطیب الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے عمران کے ان اشعار کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنِّي لأَبْرَأُ مِمَّا أَنْتَ تَذْكُرُهُ عَنِ ابْنِ مُلْجَمٍ المَلْعُونِ بُهْتَانَا

إِنِّي لأَذْكُرُهُ يَوْماً فَأَلْعَنُهُ دِيناً وَأَلْعَنُ عِمْرَانَ بْنَ حِطَّانَا

(عمران) جو باتیں تم نے اپنے اشعار میں کہی ہیں، میں تو ان سے بیزار ہوں اور ابن مُلجم ملعون نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر) جو (کفر کی) تمہت لگائی تھی، میں اس پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔ میں جب بھی ابن ملجم کو یاد کرتا ہوں تو اس کے عقیدے پر لعنت بھیجتا ہوں اور عمران بن حِطّان نے، جو اس کی مداح سرائی کی، تو اس پر بھی لعنت ہو۔

یہ جس عقیدے پر لعنت کی جارہی ہے وہ ان خوارج کا یہ عقیدہ تھا کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مسلمان نہیں تھے چنانچہ عمران کا بھی یہی عقیدہ تھا اور ان کا انتقال ۸۴ھ میں ہوگیا تھا۔

حافظ الدین ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سير أعلام النبلاء" کی چوتھی جلد میں عمران بن حِطَّان کے تذکرے میں اس کے مرثیے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

اب دیکھیے یہ عمران بن حِطَّان اگرچہ خوارج کے دُعاۃ اور اہل بدعت کے ائمہ میں سے تھے، لیکن حضرۃ الامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ان سے روایات لی ہیں مثلاً عمران کی دو روایات صحیح بخاری کی كتاب اللباس میں مل جاتی ہیں [1]

---

[1] كتاب اللباس ، باب لبس الحرير للرجال وقدر ما يجوز منه ، رقم الحديث :٥٨٣٥ ....

ایسے ہی امام حافظ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن أبی داؤد، کتاب اللباس میں عمران سے ایک حدیث لی ہے ①

ایسے ہی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن کی کتاب الزینة میں عمران سے روایت لی ہے۔ ②

یہ تینوں مثالیں پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدعتیوں کے تمام فرق باطلہ خوارج، شیعہ، قدریہ، مرجئہ، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ سے اھل السنة والجماعة کے ائمہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ نے ان گنت روایات لی ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ کوئی بھی صاحبِ مطالعہ مفسر، محدث، فقیہہ یا مؤرخ اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں اگر کوئی ابان ابن تغلب، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ہمدانی، عبداللہ بن عیسیٰ کوفی، عدی بن ثابت، محمد بن جحادہ اور زاذان کندی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کرے گا تو ہماری گذارشات کی تصدیق ہوجائے گی۔

در بساط نکتہ داناں خودفروشی شرط نیست
یا سخن دانستہ گو اے مرد غافل یا خموش

خود فروشی چھوڑ دے، لب بند اپنے، رہ خموش   بزم نازک ہے یہاں، کچھ دم مزن، نہ لاف مار.

بدعتی رواۃِ حدیث سے روایات نقل کرنے کی دوسری مثال ایک راوی شبابہ بن سوّار ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے، صحیح البخاری میں ان سے حدیث کی روایات لی ہیں، مثلاً صحیح بخاری کتاب المغازی، باب عمل صالح قبل القتال میں شبابہ بن سوّار کی روایت ملتی ہے جہاں وہ اپنے استاد

......کتاب اللباس، باب نقض الصور، رقم: ٥٩٥٢.

① کتاب اللباس، باب الصليب فى الثوب، رقم الحديث، ٤١٥١.

② کتاب الزينة، باب التشديد فى لبس الحرير، رقم الحديث: ٥٣٠٦.

استاد اسرائیل اور پھر وہ اپنے استاد ابو اسحاق کا ذکر کرتے ہیں [۱]۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوسری مرتبہ انہی شبابہ بن سوّار کی روایت کتاب المغازی ،باب غزوۃ الحدیبیۃ ، میں لائے ہیں جہاں پر شبابہ بن سوّار اپنے استاد شعبہ اور وہ اپنے استاد قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک روایت نقل کرتے ہیں [۲]۔ صحیح مسلم میں بھی یہی معاملہ ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مقامات پر ان کی روایات نقل کی ہیں۔ مثلاً ① کتاب الایمان میں ان کی روایت عاصم بن محمد سے ہے [۳] ② کتاب المساجد میں شعبہ عن قتادہ سے ہے [۴] ③ کتاب صلاۃ المسافرین میں حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے، [۵] ④ کتاب النکاح

---

①رقم الحديث : ۲۸۰۸.

②رقم الحديث:٤١٦٢.

③وحدثني محمد بن رافع ، والفضل بن سهل الأعرج ، قالا : حدثنا شبابة بن سوار، حدثنا عاصم وهوابن محمد العمري ، عن أبيه ، عن ابن عمر ، عن النبي صلى الله عليه وسلم الخ. (صحيح مسلم ، كتاب المساجد، باب : بيان أن الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريباً وإنه يأرز بين المسجدين، رقم الحديث : ٢٣٢)

④حدثنا ابو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا اسماعيل ابن عليه ، عن سعيد بن أبي عروبة ؛ ح : وحدثنا زهير بن حرب واسحق بن ابراهيم ، كلاهما عن شبابة بن سوار قال : حدثنا شعبة جميعاً عن قتاده في هذا الاسناد ، مثله (صحيح مسلم ، كتاب المساجد ، باب : نهى من اكل ثوماً أو بصلا أو كراثا أو نحوها مما له رائحة كريهة عن حضور المسجد حتى تذهب ذلك الريح واخراجه من المسجد ، رقم الحديث : ١٢٥٩).

⑤وحدثني عمرو الناقد حدثنا شبابة بن سوار المدائنى ، حدثنا ليث بن سعد عن عقيل بن خالد ، عن الذهرى عن انس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم الخ. (صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب : جواز الجمع بين الصلاتين فى السفر ، رقم الحديث : ٤٧)

میں سلیمان بن مغیرہ سے،[1] ⑤ کتاب الفرائض میں دوبارہ شعبہ عن قتادہ سے ،[2] ⑥ کتاب الاشربہ میں پھر سلیمان بن مغیرہ سے،[3] ⑦ کتاب الاداب میں ابن ابی ذئب سے،[4]

---

① حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا شبابة بن سوار ، حدثنا سليمان بن المغيرة ، عن ثابت ، عن أنس ، قال كان للنبي ﷺ الخ .(صحيح مسلم ، كتاب الرضاع ، باب : القسم بين الزوجات ، وبيان أن السنة أن تكون لكل واحدة ليلة مع يومها ، رقم الحديث : ١٤٦٢)

② وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا اسماعيل ابن علية ، عن سعيد بن أبي عروبة. ح وحدثنا زهير بن حرب واسحاق بن ابراهيم ، وابن رافع ، عن شبابة بن سوار ، عن شعبة كلاهما، عن قتادة، بهذا الإسناد نحوه .(صحيح مسلم ، كتاب الفرائض ، باب: ميراث الكلالة ، رقم الحديث : ٤١٥١).

③ حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا شبابة بن سوار، حدثنا سليمان بن المغيرة ، عن ثابت ، عن عبدالرحمن بن أبي ليلى ، عن المقداد الخ.(صحيح مسلم ، كتاب الأشربة ، باب : إكرام الضيف وفضل إيثاره ، رقم الحديث : ٥٣٦٢).

④ حدثنى محمد بن رافع : حدثنى حجين يعني : ابن المثنى ، حدثنا الليث ، عن عقيل .ح وحدثنا اسحق بن ابراهيم وعبد بن حميد ، قالا : أخبرنا عبدالرزاق، أخبرنا معمر .ح وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة،حدثنا شبابة بن سوار،حدثنا ابن أبي ذئب. ح وحدثنى محمد بن رافع ، أخبرنا اسحق بن عيسى،أخبرنا مالك ، كلهم عن الزهرى، بهذا الإسناد ، مثل معنى حديث يونس ، غير أن مالكاً في حديثه ذكر الطيرة ، وليس فيه ذكر الكهان. (صحيح مسلم ، كتاب السلام ، باب : تحريم الكهانة واتيان الكهان ، رقم الحديث : ٥٨١٤).

⑧ کتاب الفضائل میں پھر شعبہ سے [1] ⑨ اور کتاب الزھد میں پھر شعبہ سے [2] ــــــــ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ــــــ، اور پھر یہ روایات تو صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے پیش کی گئی ہیں، جن پر پوری اُمت کا اعتماد ہے، وگرنہ دیگر کتبِ حدیث میں بھی شبابہ بن سوّار کی روایات مل جاتی ہیں۔
شبابہ بن سوّار میں وہ کیا بدعات تھیں جن کی وجہ سے وہ بدعتی قرار پائے؟ اور جب اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے تو پھر اسماء الرجال کی کتابوں کو بڑی دقتِ نظر سے کھنگالنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک تجزیہ پیشِ خدمت ہے۔

①

حضرت الامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دونوں تواریخ میں شبابہ بن سوّار کا تذکرہ تحریر فرمایا ہے اور ''التاریخ الکبیر'' میں صرف اتنا تحریر فرمایا ہے۔ [3]

---

① حدثنا محمد بن المثنى وهارون بن عبدالله ، قالا : حدثنا عبدالصمد ، ح وحدثنيه عمرو الناقد، حدثنا شبابة بن سوار ، قالا : حدثنا شعبة ، عن أبي بشر ، بهذا الإسناد. (صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب : من فضائل غفار وأسلم وجهينة وأشجع ومزينة وتميم ودوس وطيء رقم الحديث : ٦٤٤٧)

② وحدثنيه عمرو الناقد،حدثنا هاشم بن القاسم ، ح : حدثناه أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا شبابة بن سوار ، كلاهما ، عن شعبة، بهذا الإسناد.(صحيح مسلم ، كتاب الزهد [والرقائق]، باب : النهي عن المدح إذا كان فيه إفراط ، وخيف منه فتنة على الممدوح ، رقم الحديث: ٧٥٠٣)

③ شبابة بن سوار أبو عمرو الفزارى المدائنى مولاهم ، سمع شعبةو حريز بن عثمان و ابن أبى ذئب، يقال مات سنة خمس أو أربع و مائتين، كناه على. (التاريخ الكبير، باب الشين، باب الواحد، رقم ٢٧٧٠، القسم الثانى من الجز الثانى ، ج: ٤، ص: ٢٧٠)

شابہ بن سوار ابوعمرو الفزاری ، المدائنی سے ان کی نسبت ولاء ہے۔ انہوں نے شعبہ بن حریز بن عثمان اور ابن ابی ذئب سے احادیث کی سماعت کی ہے. یہ کہا گیا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۲۰۴ھ یا ۲۰۵ھ میں ہوئی ان کی کنیت (ابوعمرو کے علاوہ علی ہے)۔

---

②

التاریخ الصغیر میں تو اس سے بھی زیادہ اختصار سے کام لیا ہے تحریر فرماتے ہیں: ①

شابہ بن سوّار الفزاری جن کی نسبت ولاء مدائنی اور کنیت ابوعمرو ہے، ان کا انتقال سنہ ۲۰۶ھ میں ہوا۔

صاف معلوم ہوگیا کہ انہوں نے اس راوی پر کوئی جرح نہیں کی اور نہ ہی ان کی کسی بدعت کو بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اِس راوی کی روایات اپنی صحیح میں بھی ذکر فرمادی ہیں لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ انہوں نے اپنی اسی صحیح بخاری میں متعدد بدعتیوں کی روایات نقل کی ہیں۔

---

③

ایسے ہی صحیح بخاری کے رجال پر جو اہم کتابیں مرتب کی گئی ہیں، ان میں سے ایک کتاب ''الھدایة والارشاد فی معرفة اھل الثقة والسداد'' امام ابونصر احمد بن محمد بخاری کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی

---

① عشر إلى عشر وماتين . ج:۲، ص: ۲۸۰.

۳۹۸ھ کی ہے۔ انہوں نے اس راوی (شبابہ بن سوّار) کا اور ان کے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن کوئی جرح نہیں کی ہے۔[۱]

---

④

صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کو دیکھیے تو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جہاں جہاں اِس راوی سے روایات لی ہیں، وہ تذکرہ تو گزر چکا اور اسی سلسلے میں خود حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی اسماء الرجال پر کتاب "الکنی والاسماء" کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس راوی پر کوئی جرح نہیں ملتی۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تو صرف یہ تحریر فرماتے ہیں:[۲]

> ابوعمرو شبابہ بن سوار الفزاری، انہوں نے شعبہ، حریز بن عثمان اور ورقاء بن عمر سے روایت حدیث کی ہے۔

---

① شبابة بن سوّار، أبوعمرو، الفزاری، مولاهم، المدائنی، سمع شعبة، وورقاء، واسرائیل. روی عنه علی ابن المدنیی، و عبدالله بن محمد المسندی، و محمد بن عبدالرحیم، و محمود بن غیلان فی تفسیر الحج وغیر موضع. مات سنة ٢٠٦ ـ قاله البخاری، وذکر أبو داود نا الحسن أراده بن علی الحلوانی. قال: مات شبابة، و حجاج بن محمد، و یزید بن هارون فی أربعین یوماً سنة ٢٠٦. وقال محمد بن سعد مثل البخاری. (باب الشین ، رقم :٥٠٥، ج:١،ص:٣٥٦).

② أبو عمرو شبابة بن سوار الفزاری، سمع شعبة و حریز بن عثمان وورقاء بن عمر. (باب ابو عمرو رقم :٢٣٣١،ج:٢،ص:٢٨).

⑤

ایسے ہی صحیح مسلم کے رجال پر جو اہم کتابیں مرتب ہوئی ہیں۔ان میں سے ایک کتاب، امام احمد بن علی بن مَنْجُوْیہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۲۸ھ کی ''رجال صحیح مسلم'' ہے۔انہوں نے اپنی اس تالیف میں شبابہ بن سوّار کی کنیت ابوعمرو، پھران کے اساتذہ کرام اور صحیح مسلم کے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے، جہاں ان کی روایات پائی جاتی ہیں لیکن بغیر کسی جرح کے یہ تذکرہ مکمل کردیا ہے۔①

⑥

مؤرخین اور علماء اسماء الرجال عام طور پر شبابہ بن سوّار کا سن پیدائش ۱۳۰ھ اور سن وفات ۲۰۶ھ متعین فرماتے ہیں اور اس اعتبار سے صاحب طبقات الکبریٰ محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہم عصر مؤرخ ہیں کیونکہ صاحب طبقات کی پیدائش ۱۲۸ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۳۰ھ میں ہوا، گویا کہ محمد بن سعد

①شبابة بن سوّار الفزاری مولاهم المداینی، کنیته أبو عمرو. روی عن عاصم بن محمد فی الإیمان، واللیث بن سعد فی الوضوء والصلاة، وورقاء فی الصلاة وغیرها، وشعبة فی البیوع وغیرها، وشیبان بن عبدالرحمن فی الزکاة، و سلیمان بن المغیرة فی النکاح، والأطعمة، وابن أبی ذئب فی الطب، و محمد بن طلحة بن مصرف فی البر، وعبدالعزیز بن الماجشون فی الظلم. روی عنه: محمد بن رافع، والفضل بن سهل، و محمد بن حاتم فی الزکاة، و أبوبکر بن أبی شیبة، وزهیر بن حرب، واسحاق الحنظلی، وعمرو الناقد، وأحمد بن خراش، وحجاج بن الشاعر. (باب الشین، رقم:٦٧٥، ج:١،ص:٣١١).

شبابہ بن سوّار کے انتقال کے سال اڑتیس برس کے تھے غالبًا یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ''طبقات الکبریٰ''، میں اس راوی کے حالات ضبط تحریر میں لاتے ہوئے یہ جرح فرمائی ہے۔ ①

و کان مرجیاً. اور یہ مرجئی تھے۔

پھر ان کی توثیق بھی کی ہے اور روایت حدیث کے معاملے میں انہیں قابل اعتماد راوی بھی قرار دیا ہے۔
قبل اِس کے کہ اِس راوی پر مزید بحث کی جائے، یہاں پر یہ سمجھ لینا مناسب ہوگا کہ ''اِرجاء'' کس عقیدے کا نام ہے اور ''مرجئہ'' کون ہوتے ہیں؟
جواب یہ ہے کہ یہ لفظ ''اِرجاء'' خالص عربی زبان کا ہے اور اس کا اصل مادہ یا تو ''رج أ'' ہے یا ''رج وْ'' ہے اور یا پھر یہ لفظ ''رج ی'' سے بنا ہے اگر اسے ''رِج ا'' سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کے معنیٰ ''امید'' کے آتے ہیں جو کہ ''یَأ س'' (نا اُمیدی) کی ضد ہے اور اگر موخر الذکر دو مادوں (① ''رج وْ'' ② ''رج ی'') سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کے معنیٰ ''کِنارا'' کے آتے ہیں۔
''رَجاء'' ایسی اُمید کو کہتے ہیں جس میں خوشی اور مسرت کا پہلو بھی شامل ہو۔ نارنجی رنگ کو بھی اسی لیے ''اَرْجُوان'' کہتے ہیں کہ اس میں بھی خوشی اور فرحت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ②

---

① شبابة بن سوار الفزاری، مولی لهم، ویکنی أبا عمرو، و کان ثقة صالح الأمر فی الحدیث، و کان مرجیاً. (و کان بالمدائن من المحدثین و الفقهاء، ج: ۷، ص: ۳۲۰).

② یہ وہی رنگ ہے جسے فارسی میں ''ارغوالی'' کہتے ہیں یعنی کُسُم، لاچُجّا تا، نہایت سرخ رنگ، ہماری نئی نسلیں اب رنگوں کے نام بھی بھولتی جارہی ہیں، مثلاً فالسئی، چمپئی، نسواری، مونگیا، ترنجی، ترمزی، آبنوسی، شنگرفی، کبودی، گیروا، بنفشی وغیرہ۔ ارغوان درحقیقت ایک ایرانی پودا ہے جو موسم بہار میں پھولوں سے لد جاتا ہے۔ جنگلی خشخاش کی طرح ہوتا ہے اور زمین پر بچھا رہتا ہے اس کے پھول خشخاش کے پھولوں سے زیادہ لمبے، نہایت سرخ، اِن کی بو تیز......

''اَرُجَـتِ النَّـاقة ''اونٹنی کی ولادت کا وقت قریب آ گیا یہ محاورہ اس لیے بولا جاتا ہے کہ اونٹنی اپنے مالک کو قرب ولادت یا بچے کی اُمید دلا رہی ہوتی ہے۔

پھر یہی لفظ کبھی خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ایک عرب شاعر ابوذویب الھذلی کہتا ہے۔

اِذَا لَسَعَتْـهُ الـنَّـحلُ لَـمْ يَرْجُ لَسْعَهَـا

وَحَـالَـفَهَـا فِـیْ بَيْتِ نَوبُ عَوَاسِل

شہد کی مکھی جب کاٹتی ہے تو وہ اس لیے نہیں ڈرتا کہ اُس نے شہد کی مکھیوں کے ساتھ دوستی کا پیمان باندھ رکھا ہے۔

''رِجاء'' میں خوف کا معنی غالباً اس لیے شامل ہوا ہوگا کہ اُمید میں یہ خوف تو رہتا ہی ہے کہ یہ بر آتی بھی ہے یا نہیں؟ پھر چونکہ اُمید بھی آہستہ آہستہ ٹلتی رہتی ہے اس لیے ''اَرْجَأتُ الشئ'' کے معنی ہیں ''کسی چیز کو پیچھے ڈال دینا، مؤخر کر دینا، پیچھے رکھنا، الگ سے ہٹا دینا، کسی معاملے کو تعویق میں ڈال دینا، تاخیر کرنا، ٹال دینا''

قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے انہی معانی میں استعمال فرمایا ہے ①

وآخرون مرجون لا مراللّٰه. اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کا معاملہ تاخیر میں ہے۔

مرجئہ کو بھی مرجئہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اعمال صالحہ کو ایمان سے ہٹا دیتے ہیں، پیچھے ڈال دیتے

......اور مزہ تلخ ہوتا ہے۔حسرت موہانی فرماتے ہیں:

ے ہے نرالی، سبز کی بھی، روے روشن پر بہار اوڑھنی بہتر تھی لیکن ارغوانی، آپ کی

انگلش میں اِس رنگ کو (Purple) اور کبھی (Crimson) کہتے ہیں۔قرمزی رنگ کیلئے بھی (Crimson) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

① پ: ۱۱، سورة التوبة، آیت نمبر: ۱۰۶.

ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان بغیر عمل کے محض زبان سے اقرار ہے۔گویا کہ انہوں نے زبان سے ایمان کا اقرار کرلیا اور اعمال صالحہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ان کا گمان یہ ہے کہ خواہ نماز نہ پڑھو اور روزے بھی نہ رکھو تم بخشے بخشائے ہو۔[1]

اعمال کی اہمیت کو ایسا گراتے تھے کہ لوگوں میں یہ پرچار کرتے پھرتے تھے کہ تمہارے مسلمان ہونے کے لیے صرف اِتنا کافی ہے کہ زبان سے ضروریات دین کا اقرار کرلو اور اس کے بعد خواہ کوئی بھی نیکی کا کام نہ کرو تو کوئی پرواہ نہیں بلکہ پوری عمر بھی کبیرہ گناہوں میں بِتا دو تو بھی تمہاری یہ روش نہ تو تمہیں نقصان پہنچائے گی اور نہ ہی تم ایک لمحے کے لیے بھی دوزخ میں جاؤ گے۔

جب کہ ان کے مقابلے میں اھل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ تھا کہ اتنی بات تو درست ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا ایسا حصہ نہیں ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام کی، دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے تو وہ بغیر اعمال صالحہ کی بجا آوری کے مومن نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اعمال صالحہ کا اپنا بہت بڑا ٹھکانا ہے، یہ تو درست ہے کہ ایک شخص مومن ہونے کے باوجود عمر بھر کبائر میں مبتلا رہا اور اس سے اعمال صالحہ کا صدور نہ ہوا لیکن اگر اس کی موت ایمان پہ واقعہ ہوئی تو وہ ایک دن ضرور جنت میں جائے گا لیکن اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنے کو یا تو جہنم میں جانا ہوگا اور یا پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے معاف فرمادے گا لیکن بالکلیہ اعمال صالحہ کی نفی اور اعمال سیئہ پر جرأت دلانا بھی مناسب نہیں ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ کے مقابلہ میں یہ تو وہ مرجئہ (عمل کو پیچھے ڈالنے والے) ہیں جو بالکل گمراہ ہیں۔

---

[1] والمرجئة طائفة من المسلمين يقولون: الإيمان قول بلا عمل. كأنهم قدموا [القول] وأرجا العمل، أي أخروه، لأنهم يرون أنهم لولم يصلوا ولم يصومولنجاهم إيمانهم. (تاج العروس ، باب الألف ، فصل الراء مع الهمزه ، رجاء ، ج:١،ص:١٦٠).

اور ایک اور طبقہ، اور بھی ہے جو کہ درحقیقت ائمہ اھل السنۃ والجماعۃ رحمہم اللہ پر مشتمل ہے لیکن بعض اوقات مؤرخین یا بعض نادان دوست انہیں بھی مرجئہ (عمل کو پیچھے ڈالنے والے) کہہ دیتے ہیں اور وہ اس وجہ سے کہ یہ حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ ایمان کو اس کی اہمیت کی بنا پر سب سے اولیٰ قرار دیتے ہیں اور اعمال کو ان کے حقیقی مقام، درجۂ دوم پر رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو حقیقتاً مرجئ ہیں ان میں اور ان ائمہ اھل السنۃ والجماعۃ رحمہم اللہ کے عقائد میں دور دور تک کوئی اشتراک نہیں ہے۔ بعض اوقات اشتراک لفظی سے شبہ پڑ جاتا ہے ورنہ پہلا گروہ اور دوسرا گروہ اھل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مرجئہ کے بارے میں سیر أعلام النبلاء میں حضرت ابراہیم بن طھمان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک یہ بات بھی لکھی ہے۔ ①

> ابو الصلت عبدالسلام بن صالح الھروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان (ابراہیم بن طھمان) کا ارجا، یہ تو نہیں تھا جو ان ناپاک مرجئہ کا ہے کہ ایمان صرف زبان کا اقرار ہے اور عمل کو ایمان میں کچھ دخل نہیں ہے اور اگر کوئی شخص نیک کام نہیں کرتا تو چونکہ اس کے پاس ایمان ہے تو اعمال صالحہ کا ترک اسے نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ ان (ابراہیم بن طھمان) کا ارجاء

---

① وقال أبو الصلت عبدالسلام بن صالح الهروى: سمعت سفيان بن عيينة يقول: ما قدم علينا خراسانى أفضل من أبى رجاء عبدالله بن واقد. قلت له : فابراهيم بن طهمان؟ قال: كان ذاك مرجئا. ثم قال أبو الصلت: لم يكن إرجاؤهم هذا المذهب الخبيث: أن الإيمان قول بلا عمل، وأن ترك العمل لا يضر بالإيمان، بل كان إرجاؤهم أنهم يرجون لأهل الكبائر الغفران، ردا على الخوارج وغيرهم، الذين يكفرون الناس بالذنوب. وسمعت وكيعا يقول: سمعت الثورى يقول فى آخر أمره : نحن نرجو لجميع أهل الكبائر الذين يدينون ديننا ويصلون صلاتنا، وإن عملوا أي عمل. قال: وكان شديداً على الجهمية. (رقم: ١٤٠، ج: ٧، ص: ٣٧٨).

تو یہ تھا کہ وہ کبائر کے مرتکب فرد کے لیے مغفرت کی رَجاء (اُمید) رکھتے تھے اور خوارج جو ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے تھے، یہ ان خوارج کا ردّ کیا کرتے تھے۔

اور میں نے حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور انہوں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہ وہ فرماتے تھے، وہ تمام گناہ گار جن کا عقیدہ ہماری طرح ہے اور نماز بھی ہماری طرح ہی پڑھتے ہیں تو پھر وہ جو بھی کبیرہ گناہ کریں ہمیں اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ ان گنہگاروں کی بخشش فرمائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ''عقیدہ ارجاء'' اگر اس بات کا نام ہے کہ گنہگاروں کی بخشش ہوگی تو پھر تو ہم سب اللہ تعالیٰ سے یہ ''رجاء'' (اُمید) رکھتے ہیں اس لیے ہم سب ''مرجئ'' ہیں اور اگر ''عقیدہ ارجاء'' اعمال صالحہ کی اہمیت گرانے اور اعمال سیئہ کے نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہوجانے کا نام ہے تو پھر ہم اس گمراہ کن عقیدے سے بری و بیزار ہیں۔ (۱)

شبابہ بن سوّار کے قریبی معاصرین میں سے صاحب طبقات ابن سعد کے بعد، دوسری بڑی ہستی

(۱) مولانا نجم الغنی صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تعلیم الایمان (شرح فقہ اکبر) میں مرجئہ فرقے پر کچھ بحث کی ہے، جو متعدد فوائد پر مشتمل ہے چنانچہ وہاں سے ایک طویل اقتباس اس مقام پر نقل کیا جارہا ہے۔

جس نے ان پر جرح کی ہے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔حضرت الامام ۱۶۴ھ میں پیدا

مرجئہ

یہ لفظ ارجا سے نکلتا ہے جو مشتق ہے رجا بمعنی امید سے، اسلئے کہ مرجئہ کو یہ امید ہے کہ اہل معاصی کو اللہ ضرور ثواب دے گا، اسی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا، مرد مومن ایمن ہے، گناہوں کی سزا سے، یا لفظ مشتق ہے ارجاء بمعنے تاخیر سے، اسلئے کہ انہوں نے حکم اصحاب کبائر کو آخرت تک موخر رکھا ہے پس دنیا میں صاحب کبیرہ پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی ہے پہلی صورت میں مرجیہ یائے تحتانی کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت میں ہمزہ کے ساتھ مرجئہ اور حقیقت مرجیہ کی یہ ہے کہ ان کو اثبات وعد اور نفی وعید وخوف میں مومنین سے غلو ہے مرجئہ ایمان اور عمل کو دو مختلف چیزیں قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا ایک شخص دل سے اگر توحید اور نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذے سے بری ہے لکن نقول من عمل حسنة بجميع شرائطها خالياً عن العيوب المفسدة ولم يبطلها حتى خرج من الدينا فإن الله تعالىٰ لا يضيعها بل يقبلها منه ويثيبه عليها (لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی نیک کام انکے تمام شرائط کے ساتھ کرے گا اور ان کو تباہ کرنے والے عیبوں سے پاک صاف رکھے گا اور ان نیک کاموں کو باطل نہ کرے گا، یہاں تک کہ دنیا سے ایمان کے ساتھ انتقال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک کاموں کو ضائع نہ کرے گا بلکہ اُس سے ان کو قبول فرمائے گا اور اس کو ان کا ثواب بخشے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا چنانچہ قرآن میں ہے ان اللّٰه لا يضيع اجر المحسنين (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) اور دوسری جگہ ہے وان اللّٰه لا يضيع أجر المؤمنين (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) مگر اللہ تعالیٰ مختار ہے اُس پر کوئی بات واجب نہیں ہے وہ براہ فضل اعمال حسنہ کے عوض ثواب دیتا ہے

ہوئے اوراس وقت شبابہ بن سوّار کی عمر چونتیس برس تھی۔ اِن کے عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے حضرت

بعض لوگ امام اعظم کو مرجئہ کہتے تھے

امام صاحب کا یہ قول دیکھتے ہوئے معتزلہ سے تعجب ہوتا ہے کہ اُنہوں نے امام صاحب اوران کے تابعین کو مرجئہ کہہ دیا ہے شاید امام صاحب نے جوفرمایا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہےاور تصدیق نہ زیادہ ہوتی ہے نہ کم تو معتزلہ کواس سے یہ خیال پیدا ہوگیا کہ امام صاحب نے جوعمل کوحقیقت ایمان سے خارج کردیا ہےتو ان کے نزدیک مغفرت کے لئے ایمان کافی ہےاس کے ہوتے ہوئے کسی عمل مفروضہ کا ترک اور گناہ ضرر نہیں کرتا کیونکہ اعمال ایمان میں داخل نہیں لیکن امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب کومرجئہ کا ہم اعتقاد خیال کرنا درست نہیں اس لئے کہ ارجاء تو یہ ہے کہ یہ سمجھیں کہ عذاب وعقاب اور مواخذہ کسی طرح نہ ہوگا اور ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہ پہنچا سکے گا سو یہ عقیدہ حنفیہ کا کب ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے میں ہے جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے عذاب دےاور گناہ گار کے واسطے عذاب بھی ثابت کرتے ہیں اور اسکے ضرر سے خائف رہتے ہیں ہاں لطف پر ان کی نظر بھی ہے اس لیے جانب مغفرت وامیدواری کی رعایت رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہےتو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخش دےاور فاسق کودوزخ میں نہ ڈالے امام ابوحنیفہ کواسے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقے کا ہے وہ اصل حقیقت کودیکھتے تھےاور مغز سخن کوپہونچتے تھے جب بحث ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو، جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہےاس پر بہت لوگوں نے ان کوبھی مرجئہ کہا لیکن وہ ایسا مرجئہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہا میں سے جولوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے ان کو یہ بھی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب ''المعارف'' میں مرجئہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ ابراہیم تیمی

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی عمر میں بعض احادیث ان سے روایات بھی کی ہیں لیکن پھر بعد

اور عمرو بن مرہ اور طلق الجیب اور حماد بن سلیمان اور عبدالعزیز بن ابوداؤد اور خارجہ بن معصب اور عمر بن قیس الاصر اور ابومعاویہ الضریر اور یحیٰی بن زکریا اور مسعر بن کدام حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث وروایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری ومسلم میں ان لوگوں کی سیکڑوں روایتیں موجود ہیں جو اس پر غش (دل وجان سے عاشق) ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجئہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔

غنیۃ الطالبین کے متعلق تحقیقات

اور یہ جو غنیۃ الطالبین میں آیا ہے اما المرجئة ففرقها اثنا عشر فرقة الجهمية و فلانة و الحنفية و اما الحنفية فهم أصحاب أبی حنيفه النعمان بن ثابت الخ (اور مرجئہ کی مزید بارہ شاخیں ہیں ان میں سے ایک جہمیہ ہے اور دوسری شاخ فلاں لوگ ہیں اور تیسری شاخ فلاں لوگ ہیں اور ایک شاخ حنفی بھی ہیں جو کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں) اس میں علما محققین کو کلام ہے یہاں تک کہ شیخ القطب عبدالوہاب شعرانی اس بات کے قائل ہیں کہ اس عبارت کو معاندین نے غنیۃ میں اپنی طرف سے داخل کردیا ہے بلکہ محققین کو تو اس میں بھی کلام ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں ہرگز ثابت نہ شدہ کہ این تصنیف آنجناب است اگرچہ انتساب آن بآنحضرت شہرت وارد نظر براین کہ شاید دران حرف ازان جناب بودترجمہ کردم چنانچہ علامہ میر حسین میبذی در دیباچہء دیوان کہ نزد عوام منسوب بحضرت امیر المومنین علی ست برہمین اسلوب معذرت کردہ (یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے اگرچہ عوام میں شہرت یہی ہے کہ اِس کتاب کو اُنہی سے منسوب کرتے ہیں...........اور یہ بات ایسے ہی ہے جیسے کہ علامہ میر حسین میبذی نے ''دیوان'' کے دیباچہ میں معذرت کی ہے کہ لوگ اگرچہ اِس میں اِن

کے ''عقیدہ ارجاء'' کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ان سے روایتِ حدیث ترک کر دی بلکہ جرح

''دیوان'' کو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے یہ ''دیوان'' ان کا نہیں ہے) علامہ ابن حجر و علامہ عبدالغنی نابلسی و علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ، غنیۃ کو تصنیف حضرت غوث اعظم کہتے ہیں بہرصورت امام ابوحنیفہ کا اس عبارت سے مرجئہ ہونا کب ثابت ہوتا ہے انہوں نے تو حنفیہ کہا ہے سوممکن ہے کہ حنفیہ میں سے بعض آدمی مرجئہ کے ہم اعتقاد ہوں امام کے بعض متبع کا یہ عقیدہ ہونے سے امام کا یہ عقیدہ کیونکر سمجھ لیا گیا امام کے کمال اوران کے مذہب کی قبولیت عام نے اُن کولوگوں کا محسود بنا رکھا ہے ذراسی بات بھی برائی کی کہیں مل جاتی ہے تو بدگمانی سے اس کو امام کے دامن سے باندھنا چاہتے ہیں راست بازوں کے زمرے میں ایسے شخصوں کے کلام پر اعتبار نہیں ہوتا۔ علما کے مجمع میں ایسے حضرات کا وقار نہیں ہوتا اور ہم یہ فرض کرنے کے بعد کہ غنیّۃ کی عبارت سے مراد امام ابوحنیفہ ہی ہیں کہتے ہیں کہ غنیّۃ میں جہاں اور اغلاط فاحشہ موجود ہیں، اسی قبیل سے، یہ بھی ایک غلطی ہے مثلاً غنیّۃ میں لکھا ہے کہ حضرت مرتضیٰ نے فرمایا ہے لم یخرج النبی صلی اللہ علیه و اله و سلم من الدنیا حتی بین لنا ان الا مربعده لا بی بکر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لی یعنی آنخضرت نے اپنی زندگی ہی میں فرمادیا تھا کہ ان کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر ہونگے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر میں۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث بحسب ظاہر غریب معلوم ہوتی ہے مگر جب اس بات پر لحاظ کیا جاتا ہے کہ آنخضرت نے اصحاب ثلثہ کی خلافت کے باب میں پچاس حدیثوں سے زیادہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض میں یہ امر تصریح کے ساتھ موجود ہے اور بعض میں بطور اشارات کے اس کا ذکر کیا ہے تو اس کی غرابت کے دفع ہو جانے میں شک نہیں رہتا اور اس کی صحت کو دل قبول کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع اور غلط ہے اس کی غرابت کسی طرح دفع نہیں ہوسکتی اور دلیل اس پر یہ ہے۔

① جب پیغمبر ﷺ کی وفات کے دن، سقیفۂ بنی ساعدہ یعنی بنی ساعدہ کے چبوترے میں، انصار نے یہ ٹھہرایا کہ ایک امام ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین کا ہوگا اور اپنی طرف سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ ہوگئے اور یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وہاں پہونچ گئے اور کہا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے کہ امام قریش چاہئے تب سب انصار نے قبول کیا اگر آنحضرت نے خلفا کی نام بنام تصریح کردی ہوتی تو مہاجرین وانصار بحث نہ کرتے کہ ایک گروہ کہتا تھا ہم میں سے امیر ہو اور دوسرا کہتا تھا ہم میں سے۔ اس ردوبدل کی حاجت نہ ہوتی اور اگر کوئی کہے کہ اس قدر گفتگو تحقیق اور تلاش نص کے لئے تھی کیونکہ وہ نص مخفی تھی بعض صحابی اول اس سے واقف نہ تھے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت سے آخر میں تنزل کیوں چاہا اور حضرت علی اور صحابہ کو بیعت اور خلافت کے لئے کیوں اختیار دیا اس لئے کہ منصوص اور واجبی کام میں تواضع کرنے اور اختیار دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

② حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور ان کی خلافت پر تنصیص کی اس کی ضرورت نہ ہوتی آنحضرت ﷺ کی نص کافی تھی۔

③ حضرت عمر نے جو اپنی وفات کے وقت حضرت علی اور حضرت عثمان اور زبیر اور طلحہ اور سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف کو کار خلافت کے لئے منتخب کیا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسا مساوی یا نہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کرسکے اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جبکہ حضرت عثمان کے واسطے جناب سرور عالم ﷺ کی طرف سے نص ہوجاتی تو حضرت عمر کو ایسا کرنے کا، کب حق پہونچتا تھا اور اگر یہ نص جناب امیر کو معلوم ہوتی تو وہ ضرور ٹوکتے۔

④ عبدالرحمٰن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے مقرر ہوئے تھے اول حضرت علی کا ہاتھ پکڑ

لیا اور کہا أتبایعنا علی کتاب اللّٰہ و سنۃ رسول اللّٰہ و سیرۃ الشیخین **یعنی کتاب اور رسول اللہ کی سنت اور حضرت صدیق اور حضرت فاروق کے طریقے پر ہماری بیعت قبول کرتے ہو تو حضرت علی نے جواب دیا** علی کتاب اللّٰہ و سنۃ رسول اللّٰہ و اجتہاد رأیی **یعنی میں تم سے بیعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اپنی رائے کے اجتہاد پر لیتا ہوں سیرت شیخین پر بیعت لینے سے انکار کیا عبدالرحمٰن نے حضرت علی کا ہاتھ چھوڑ کر حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہی بات کہی جیسا کہ شرح مقاصد میں لکھا ہے** أبا یعک علی کتاب اللّٰہ و سنۃ رسولہ و الخلیفتین من بعدہ **یعنی میں تمہاری بیعت کرتا ہوں کتاب خدا و سنت رسول اور طریقہ شیخین پر حضرت عثمان نے قبول کر لیا پھر سب صحابہ نے ان سے بیعت کر لی اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو ضرور حضرت علی صاف لفظوں میں کہہ دیتے کہ شیخین کے بعد جناب سرور کائنات نے حضرت عثمان کی خلافت کے لئے تنصیص کی ہے شورے کی کیا ضرورت ہے۔**

⑤ حضرت علی نے جب تک حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی تھی اس عرصے میں عباس اور سفیان نے ان سے کہا کہ تم خود کیوں نہیں خلافت کا دعویٰ کرتے تو آپ نے ان کو جواب دیا کہ تم چاہتے ہو مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہو جائے پس اگر وہ نص، پیغمبر خدا سے وارد ہوتی تو آپ یوں جواب دیتے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں میرا نمبر حضرت عثمان کے بعد ہے ابھی سے میں کیوں خلافت کا خواستگار ہوں۔

⑥ ۳۷ھ میں جب معاویہ نے حضرت علی سے ثالثی چاہی اور ان کے اہل لشکر نے بھی ان کو مجبور کیا کہ وہ ثالثی منظور کریں پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ ضرور کہتے کہ عثمان کے بعد میری خلافت کے لیے آنحضرت ﷺ ارشاد فرما گئے ہیں اور ثالثی منظور نہ فرماتے۔

⑦ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے بیعت کرنے کے وقت ان کے احق بالخلافت ہونے کے لئے یہ کہا تھا

بھی کی اور فرمایا:(۱)

كـان يـدعـو إلـى الإرجـاء ، وحكى عنه قول أخبث من هذه الأقاويل قال : إذا قال فقد عمل بـجـارحته ، وهذا قول خبيث ماسمعت أحداً يـقوله ، قيل له: كيف كتبت عنه ؟ قال : كتبت عنه شيئاً يسيراً قبل أن أعلم أنه يقول بهذا.

(تهـذيـب التهذيب،من اسمه : شباب وشَبَابة وشبـاك،شبـابه بن سوار، رقم : ۲۸۰۸، ج:۳، ص:۵۹۰).

یہ (شبابہ بن سوّار) ''ارجاءٗ'' کی دعوت دیتے تھے اوران سب بدعات سے زیادہ سنگین بدعت ،جس کی روایت ان سے کی گئی ہے وہ یہ تھی کہ (شبابہ کہتے تھے)''اللہ تعالیٰ جب کلام کرتا ہے تو اپنی زبان سے بولتا ہے'' اور یہ ناپاک حملہ میں نے اس شخص سے پہلے کسی سے نہیں سنا عرض کیا گیا کہ پھر آپ نے ان سے حدیث کی روایت کیوں کی ہے؟

کہ ہم تم سے زیادہ کسی کو اولیٰ نہیں جانتے تم کو پیغمبر خدا نے امر دین میں ہمارا پیشوا کیا پھر دوسرا کون ہے جو تم پر سبقت کرے گا۔صرف ہم کو شاق یہ گذرا کہ ہم پیغمبر خدا کے اہل بیت اور ارباب مشورت واجتہاد سے تھے تم نے ہم سے صلاح کیے بغیر خلافت کا کام کیوں طے کرلیا اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو حضرت علی یوں تقریر نہ کرتے بلکہ یہ کہتے کہ تمہاری خلافت کے لئے آنخضرت نے نص کردی ہے اس لئے امامت وخلافت کے لائق اور اولیٰ و احق تم ہی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو خلافت کے عظیم الشان کام میں صحابہ کے سامنے ضرور پیش ہوتی اور سب کو اس کا علم ہوجاتا اور اس کے موافق کام کیا جاتا۔اگر فی الواقع جناب سرور کائنات نے ایسا فرمایا ہوتا تو صحابہ کو آنخضرت کے بعد اور پھر ہر خلیفہ کے بعد نئے خلیفہ کا انتخاب کرنے میں کیوں ایسی تشویش اور تردد پیدا ہوتا، سب موافق اس حدیث کے عمل کرتے اور اپنی رائے کو دخل نہ دیتے۔پس ثابت ہوگیا کہ غنیۃ الطالبین کی ساری باتیں صحیح نہیں ہیں اور جبکہ ایسے اہم کام کی حدیث موضوع لکھ دی ہے تو امام ابوحنیفہ کی نسبت مرجئہ ہونے کا غلط قول لکھ دینے میں تعجب کی کونسی بات ہے۔(ص:۳۴۵ تا ۳۵۰)

تو (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے) ارشاد فرمایا میں نے اُن سے جو بھی روایت حدیث کی ہے تو یہ اُس وقت کی بات ہے، جب مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ یہ ناپاک جملہ کہتا ہے۔ (یعنی یہ بدعتیوں کا عقیدہ رکھتا ہے)۔

اس موقع پر دو باتوں کا خیال رہنا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ شبابہ بن سوّار کے ان گمراہ کن عقائد کا علم جب حضرت الامام رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو انہوں نے ان سے روایت حدیث چھوڑ دی اور دوسری بات یہ کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک زبان ہے، جس سے وہ بولتا ہے تو یہ عقیدہ نہایت گمراہ کن ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں ہم اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ ''کلام'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ گونگے پن یا سکوت کے عیوب سے پاک ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔ اس کا کلام کمال محض ہے۔ انسان کلام اور گفتگو کے لیے اپنے اعضاء و جوارح مثلاً تالو، زبان، دانتوں اور ہونٹوں کا محتاج ہے۔ یہ سب صفات انسانوں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام عیوب اور جسم سے پاک اور اپنی مخلوق کی مشابہت سے ہر طرح منزّہ و مبرّا ہے۔ اس کا کلام صوت یعنی آواز سے بھی پاک ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یقول الظلمون علواً کبیراً.

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفصیلی جرح فرمائی ہے تو اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس راوی میں ایک تو ارجاء کی بدعت پائی جاتی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ باری تعالیٰ کے لیے تجسیم کے قائل تھے۔

---

⑧

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شبابہ بن سوار سے بلحاظ زمانہ قریب ترین تیسری شخصیت عثمان بن سعید دارمی (از ۲۰۰ھ تا ۲۸۰ھ) کی ہے۔ ''دارمی'' نسبت سے پہلی شخصیت جو ذہن میں آتی ہے وہ حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابو محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو کہ مشہور حافظ الحدیث، مسند الدارمی کے

مؤلف امام مسلم، ترمذی اور ابوداؤد رحمہم اللہ جیسے کبار محدثین کے استاد اور اھل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۸۱ھ میں ہوئی اور انتقال ۲۵۵ھ میں ہوا۔ مگر یہاں پر وہ مراد نہیں ہیں بلکہ یہ ایک دوسری شخصیت عثمان بن سعید دارمی ہیں، جو کہ اپنے عقیدے کے اعتبار سے نہایت گمراہ انسان تھے۔ مجسمیوں کے امام اور اُس زمانے کے سرکردہ، بدعقیدہ داعی تھے۔ علم حدیث اگرچہ انہوں نے امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام یحیٰ بن معین اور امام اسحٰق بن راھویہ جیسے کبار ائمہ حدیث رحمہم اللہ سے حاصل کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی میں اتنے مسلم تھے کہ صحاح ستہ کے تمام ائمہ رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ البتہ اس گمراہ شخص میں ایک خوبی تو جھوٹ نہ بولنے کی تھی جس کی وجہ سے ان کا اعتبار مستند مؤرخین میں ہوتا ہے اور دوسری خوبی یہ تھی کہ یہ جن لوگوں کو گمراہ سمجھتے تھے ان کا خوب ردّ کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے اسی جذبے کے تحت ''جہمیہ'' کے ردّ میں کتاب ''النقض علی بشر المریسی''[۱] تحریر کی۔ اگرچہ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود بھی گمراہ تھے۔

ان کہ انہی دوخوبیوں کی وجہ سے یہاں پہنچ کر خیال آیا کہ ان کی رائے بھی اس راوی کے بارے میں پڑھنی چاہیے کہ وہ کیا لکھتے ہیں؟ چنانچہ ان کی کتاب ''تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابی زکریا بن معین فی تخریج الرواۃ وتعدیلھم'' کو پڑھا تو انہوں نے اس راوی کا دو مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ ایک تو جب وہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں (عثمان) نے امام یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے متعلق دریافت کرتے

---

[۱] اس کتاب کا نام ''نقض الامام ابی سعید عثمان بن سعید علی المریسی الجهمی العنید فیما افتریٰ علی اللہ عزوجل من التوحید'' ہے۔ یہ تمام کتاب صفات باریٰ تعالیٰ کے متعلق گمراہی اور اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف بھری پڑی ہے۔

ہوئے یہ عرض کیا کہ آپ (یحٰی بن معین) شبابہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے ارشاد فرمایا وہ ثقہ ہے۔ ①

اور دوسرے مقام پر انہوں نے امام یحٰي بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک راوی حدیث ''شاذان'' کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ شاذان سے روایت میں کچھ حرج نہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ امام آپ کو شاذان زیادہ محبوب ہیں یا شبابہ؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے شبابہ زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ ②

اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن سعید الدارمی (گمراہ) جو کہ شبابہ بن سوار کے قریب ترین دور ہی کے ایک مؤرخ ہیں، کے نزدیک یہ راوی ثقہ بھی تھے اور ان میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی جس کی وجہ سے ان کی روایت ردّ کی جاتی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امام یحٰي بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شبابہ بن سوار ایک ثقہ راوی حدیث تھے۔

---

⑨

شبابہ بن سوار کا انتقال تیسری صدی کے اوائل (تقریباً ۲۰۶ھ) میں ہوا اور ان کے چوتھے قریب ترین مؤرخ ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ ہیں جن کی پیدائش ۲۱۳ھ میں ہوئی اور اس وقت شبابہ بن سوّار کے انتقال کو صرف سات برس گذرے تھے۔ ابن قتیبہ مؤرخ نے جب اپنی مشہور زمانہ کتاب

---

① أخبرني عثمان قال:سألت يحيى بن معين عن أصحاب شعبة قلت: .... فشبابة ؟ قال: ثقة أصحاب شعبه ، رقم :۱۰۸،ص:٦٥.

② حدثنا عثمان قال : سألت يحى عن شاذان؟ فقال: لا بأس به. قلت: هو أحب اليك أم شبابة ، فقال: شبابة أحب إلي. (باب الشين ، رقم :٤١٥، ص:١٣١).

''المعارف''، تحریر کی تو اس میں شبابہ بن سوار کے متعلق تحریر فرمایا:①

> ان کی کنیت ابوعمرو تھی۔ یہ مرجئی تھے اور یہ اصل میں خراسان سے تھے لیکن بغداد میں آ بسے اور پھر یہ مدائن چلے گئے۔ لوگوں سے الگ تھلگ زندگی بسر کی اور پھر مدائن سے بھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ پھر مکہ مکرمہ ہی کو اپنی جائے اقامت بنالیا یہاں تک کہ وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ رافضیوں کے سخت مخالف تھے اور جب بھی ان کا ذکر آتا تھا، ان کے لہجے میں شدت آجاتی تھی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عقیدے کے اعتبار سے ان کا انتساب مرجئہ کی طرف کیا جاتا تھا اور دوسری اہم بات یہ کہ یہ روافض کے سخت خلاف تھے اور تیسری اہم بات یہ کہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ یہ بات بہت اہم اور یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ آئندہ سطور میں ان کی جائے وفات، زیر بحث آئے گی۔

10

تیسری صدی ہجری کے بعد جب ہم چوتھی صدی ہجری کے علماء اسماء الرجال کی کتابیں کھنگالتے ہیں تو حافظ ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ممتاز کتاب ''کتاب الضعفاء الکبیر'' پر نظر پڑتی ہے۔ حافظ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۲ھ، اِس راوی کے مرجئی ہونے اور پھر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی جرح کے

---

① شبابة بن سوار الفزاری، هو مولی لـ (فزارة) ویکنی: أبا عمرو و کان مرجئا. وهو من أهل "بغداد" من أبناء "خراسان" فتحول إلى "المدائن" فنزل بها، واعتزل ثم خرج الی "مكة" فأقام بها حتى مات. (أصحاب الحدیث، ص: ۵۷۲)

بعد یہ بھی بتاتے ہیں کہ شبابہ بن سوار اپنی جرح کے معاملے میں خاص طور سے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ اپنا دفاع کرسکیں۔ پھر اسی معاملے میں قاصد بھی فریقین کے پیغامات لاتے، لے جاتے رہے لیکن بات نہ بن آئی اور انجام کار یہ مدائن واپس چلے گئے۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے اپنے عقیدے کی وضاحت یا اثبات کے لیے کوشش کی اور پھر وہ بہت مغموم ومکروب بھی رہے کہ یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھے لیکن ایسے نہ ہوسکا۔

---

(11)

چوتھی صدی ہی کے ایک اور امام اسماء الرجال، ابن ابی حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مکمل نام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس التیمی الحنظلی الرازی اور سن وفات ۳۲۷ھ

---

[1] قلت لأبی عبداللّٰه : شبابة أي شيء يقول فيه ؟ فقال : شبابة كان يدعو إلى الإرجاء. وحكى عن شبابة قولا أخبث من هذه الأقاويل، ماسمعت عن أحد بمثله. قال : قال شبابة : إذا قال فقد عمل، قال: الإيمان قول و عمل، كما تقولون فاذا قال فقد عمل بجارحته أي بلسانه حين تكلم به. قال أبو عبداللّٰه : هذا قول خبيث، ما سمعت أحدا يقول، ولا بلغنى قلت كيف كتبت عن شبابة ؟ فقال لی نعم كتبت عنه قديما شيئا يسيرا قبل أن نعلم أنه يقول بهذا، قيل له : كنت كلمته فی شی من هذا؟ قال : لا. قال وحدثنی بعض الأشياخ أن شبابة قدم من المدائن قاصداً للذی أنكر عليه أحمد بن حنبل، فكانت الرسل تختلف بينه و بينه، قال: فرأيته تلك الأيام مغموما مكروبا قال ثم انصرف الى المدائن قبل أن يصلح أمره عنده.(باب الشين ، رقم :۱۷۱۹، السفر الثانی ، ج:۲،ص:۱۹۶).

ہے۔علم الرجال پر''الجرح والتعدیل'' کے نام سے انہوں نے اپنی کتاب کومرتب کیا ہے جوکہ دس 10 جلدوں پر مشتمل ہے۔اس راوی کے تذکرے میں انہوں نے نہ صرف یہ کہ کوئی جرح نہیں کی بلکہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ تصریح کی ہے ① کہ وہ شبابہ بن سوّارکو ''ثقہ'' مانتے تھے اور علم حدیث کے طلباء کو معلوم ہے کہ جب کسی راوی کو آئمہ محدثین ثقہ قرار دیتے ہیں تو وہ کس درجے کا راوی ہوتا ہے۔

---

⑫

چوتھی صدی ہی کے امام حافظ محمد بن حبان ابو خاتم البستی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۵۴ھ نے اسماء الرجال پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کتاب الثقات'' بھی اس راوی کا تذکرہ کیا ہے لیکن صرف تعریف ہی کی ہے اور انہیں ''مستقیم الحدیث'' (علم حدیث میں قابل بھروسہ آدمی) قرار دے کر ان کا تذکرہ مکمل کر دیا ہے۔ ②

---

①نا عبدالرحمن حدثنی أبی، قال: قال علی بن المدینی: شبابة بن سوار ثقة. (باب من روی عند العلم من الأفراد فی باب الشین ، رقم :٦٨٣٤/١٧١٥)

②شبابة بن سوار المدائني كنيته أبو عمر الفزاری، يروی عن ابن أبی ذئب و شعبة، روی عنه أبوبكر بن أبی شيبة و أهل العراق، مات سنة أربع أو خمس و مائتين يوم الخميس لعشر مضين من جمادی الأولی، وقد قيل سنة ست و مائتين، مستقيم الحديث ،(باب الشين ، ج:٨،ص:٣١٢).

(13)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، افراد کی جرح وتعدیل کے جس سلسلے کا آغاز فرمایا تھا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی سلسلے کو جاری رکھا اور اپنے دور میں بھی بہت سے افراد کی تعریف وتوثیق بھی کی اور بعض افراد کو مجروح ومذموم بھی قرار دیا وہ ہستی خود خاتم الانبیاء والمعصومین تھی۔ عصمت اس کے لوازمات نبوت میں سے تھی اس لیے اُن پر جرح تو اپنے آپ کو ایمان سے خارج کرنا تھا۔ اُن کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ بھی ایسا تھا جو سب کے سب عدول تھے۔ پھر تابعین کا دور آیا اور اُن میں ابرار واتقیاء بھی شامل تھے اور فساق وفجار بھی۔ اس کے بعد افراد کی جرح وتعدیل کی امامت کا تاج اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کے سر پہ رکھا اور اُن کا حال یہ تھا کہ وہ جس کی توثیق کر دیتے تھے، وہ اُمت میں ثقہ ٹھہرتا تھا اور جس پر وہ جرح کر دیتے تھے محدثین اُسے مجروح قرار دے دیتے تھے ان میں سے پہلی ہستی حضرت یحی بن سعید القطان اور دوسری ہستی حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہما اللہ کی تھی۔ اِن کے بعد کے طبقے میں حضرت امام ابوداؤد طیالسی، نبیل بن مخلد اور عبدالرزاق بن ہمام رحمہم اللہ ائمہ جرح وتعدیل ٹھہرے اور پھر اُن کے طبقے کے بعد اِسی علم پہ حضرت یحی بن معین، صاحبِ طبقات محمد بن سعد اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے کتابیں لکھیں۔ تصنیفات کا یہ دور اگرچہ پہلے بھی تھا مگر اب بہت بڑے بڑے افراد اِس میدان میں اُترے اور امام بخاری، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کی کتابیں سامنے آئیں، وہ راوی جو ضعیف اور متروک قرار دیئے گئے اُن پر اور جو راوی ثقہ قرار پائے اُن پر، علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی گئیں مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کتاب الضعفاء'' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' انہی کی دوسری کتاب ''کتاب الضعفاء'' اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الضعفاء'' بہت مشہور ہوئیں امام ابوحاتم البستی کی ''کتاب الثقات'' اور امام ابواحمد عبداللہ بن عدی کی کتاب ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' نے بھی اِس علم میں شہرت پائی۔ یہ کتاب

نو(9) جلدوں میں بیروت سے طبع ہوئی ہے۔

ابن عدی الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے شبابہ بن سوّار کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ راوی کا اصل نام ''مروان'' تھا لیکن شبابہ اصل نام پر غالب آ گیا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت حدیث ترک کردی تھی لیکن خود صاحبِ تصنیف کا خیال یہ ہے کہ لوگوں نے شبابہ کو ''ارجاء'' کی وجہ سے قابل مذمت قرار دیا تھا وگرنہ اُن سے روایت حدیث میں کوئی حرج نہیں اور علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مؤقف تھا۔ ①

---

⑭

علماء اسماء الرجال میں چوتھی صدی ہی کی ایک اور صاحب علم ہستی ابن شاہین الواعظ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تھی ان کا اصل نام عمر بن احمد بن عثمان، کنیت ابو حفص اور سنہ پیدائش ۲۹۷ھ تھا انہوں نے ۱۱ سال کی عمر میں ہی حدیث کو لکھنا اور روایت کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ تصنیف و تالیف کی طرف مائل ہوئے، اہل علم نے ان کا مرتبہ جانا اور یہ اپنے دور کے ائمہ حدیث میں شمار کیے گئے۔ انہوں نے اگرچہ کتابیں تو بہت سی لکھیں لیکن اُن میں سے بہت کم چھپی ہیں، کچھ مخطوطات ہیں اور اکثر مفقود ہیں مثلاً اِن کی ① كتاب الأبواب ② كتاب الأربعين حديثاً ③ كتاب الأكابر عن الأصاغر فى السن ④ كتاب برالوالدين و مافيه من الفضل والندب على ذلك ⑤ كتاب البكاء و فضل من بكى من خشية الله عزوجل

---

① وشبابة عندي إنما ذمه الناس للإرجاء الذي كان فيه وأما في الحديث فإنه لا بأس به كما قال علي بن المديني والذي أنكر عليه الخطاء ولعله حدث به حفظاً. (أسام شتى ممن ابتداء اساميهم شين، رقم : ۹۰۵/۲۵ ، الجزء الخامس ، ص : ۷۱).

⑥کتاب التاریخ ⑦ کتاب التفسیر الکبیر ⑧ کتاب دلائل النبو ۃ ⑨کتاب خصال الایمان ⑩ کتاب الصحابة ⑪ کتاب العقل و فضله و ما یبلغ العبد به من الکرامات فی الدنیا و الآخرۃ ⑫ کتاب معجم الشیوخ ⑬ کتاب المعراج ⑭ کتاب المسند ⑮کتاب من روی عن أبیه من الصحابة و التابعین ،وغیرہ اور دیگر بہت سی کتابیں اب تک تلاشِ بسیار کے باوجود، دستیاب نہیں ہوسکیں لیکن ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے ان کی ایک کتاب ''تاریخ اسماء الثقات'' کے نام سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہے اُس کتاب کے مقدمے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:[①]

میں اِس کتاب میں اُن لوگوں کا ذکر کروں گا جو علم حدیث کی روایت کرتے ہیں اور اُن کی سند ہم تک پہنچی ہے اور علم حدیث کے وہ آئمہ جن کی عدالت کی شہرت دنیا بھر میں پھیل چکی ہے اور جن کی شہادت قبول کی جاتی ہے وہ اِن رواۃ حدیث پر اعتماد کرتے ہیں۔ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان عبدالرحمان بن مہدی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، عثمان بن ابی شیبۃ، محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی اور احمد بن صالح نے جن افراد پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، میں نے اُن کا 30تذکرہ لکھا ہے۔

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ وضاحت کردی کہ وہ اپنی اس کتاب میں صرف ثقہ رواۃ کا ہی تذکرہ لکھیں گے

---

①کتاب أسماء الثقات ممن روی الحدیث، ممن انتهی إلینا ذکره، عن نقاد الحدیث، ممن قبلت شهادته، و اشتهرت عدالته، و عرف و نقل ، مثل: یحیی بن سعید القطان، و عبدالرحمان بن مهدی، ویحیی بن معین، و أحمد بن حنبل، و علی بن المدینی، و عثمان بن أبی شیبة، و محمد بن عبداللّٰه بن عمار الموصلی، و أحمد بن صالح و مثل من تقدمهم، و مثل من قاربهم.و أخرجت أسماء الثقات علی حروف المعجم لیقرب علی الناظر فیه اسم من قصده، باللّٰه نستعین، و علیه نتوکل. (ص: ۵۸)

اور پھر آگے چل کے شبابہ بن سوّار کا تذکرہ بھی لکھ دیا تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ راوی اُن کے نزدیک ثقہ ہیں۔
پھر وہ اپنی اِسی کتاب میں جابجا عثمان بن ابی شیبۃ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ جب اُن سے شبابہ بن سوّار کے ''عقیدہ ارجاء'' کے متعلق دریافت کیا گیا تو عثمان نے کہا کہ یہ تہمت ہے۔①

ابن شاہین الواعظ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۳۸۵ھ میں ہوا۔
اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبابہ بن سوّار پر ''عقیدہ ارجاء'' کی تہمت کی تردید بھی اُسی زمانے میں شروع ہوگئی تھی چنانچہ سابقہ حوالوں کی روشنی میں اب تک جو خلاصہ سامنے آیا، وہ یہ کہ

① شبابہ بن سوّار کا تعلق مرجئہ سے تھا۔
② وہ ثقہ اوران کی روایات حدیث ائمہ حدیث رحمہم اللہ کے نزدیک قابل قبول تھیں۔
③ وہ شیعہ فرقے کے سخت خلاف تھے۔
④ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔
⑤ اُنہیں ''عقیدہ ارجاء'' سے بری بھی قرار دیا گیا۔

---

(15)

پانچویں صدی ہجری میں اسماء الرجال پر جو کتابیں تحریر کی گئیں، ان میں ایک بہت اہم اور شاندار کتاب ''تاریخ بغداد- او- مدینۃ السلام'' ہے۔حافظ ابوبکر احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۳ھ جو کہ

---

① وقال عثمان : شبابة، صدوق، حسن العقل، ثقة، نذكر له الإ رجاء عنه فقال : كذب (ص: ١٧٠).

خطیب بغدادی کے نام سے مشہور ہیں، یہ شاہکار کتاب ان کے سیّال قلم کا نتیجہ ہے۔ مصنف نے بیت اللہ میں کھڑے ہوکر، زم زم پی کر جو تین دعائیں مانگی تھیں، اُن میں سے ایک دعا اِس کتاب کی تکمیل اور وجود کے لئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے اُن کی یہ دعا قبول فرمائی، اُن کی دوسری دعا کہ قبر کی جگہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مل جائے، وہ بھی قبول ہوئی اور امید ہے کہ اُن کی تیسری دعا بھی قبول ہوگی کہ آخرت میں آبرو باقی رہے۔ حال ہی میں ''دار الکتب العلمیہ'' سے اس کتاب کا جو نسخہ چھپ کر سامنے آیا ہے، تیس جلدوں پر مشتمل ہے اگرچہ اس میں بے شمار روایات و واقعات قابل جرح و تعدیل ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے یہ کتاب تاریخ اسلام کی ایک شاہکار کتاب ہے۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے راوی زیر بحث، شبابہ بن سوار کا تذکرہ چار صفحات میں تحریر فرمایا ہے[1]۔ اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ[2] (از ۲۰۰ھ تا ۲۶۴ھ) کا یہ قصہ بھی نقل کیا ہے کہ سعید بن عمرو البرذعیؒ کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں حضرت ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب، ابو معاویہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ مرجئ تھے؟ تو انہوں نے فرمایا جی ہاں وہ نہ

---

① ذکر من اسمه شیخ، ذکر مفاريد الأسماء فی هذا الباب، رقم: ۴۸۳۹، ج:۹، ص:۲۹۴

② ''ابوزرعہ'' کنیت کے بہت سے محدثین ہیں۔ مثلاً ابوزرعہ الکشی، ابوزرعہ الیمنی، ابوزرعہ الرازی الصغیر، ابوزرعہ الرازی الاصغر، ابوزرعہ الدمشقی الصغیر، ابوزرعہ الاسترابادی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ الطبقه الثالثه عشره (رقم: ۹۲۸، ج:۳، ص:۹۹۷) میں ان حضرات کا تذکرہ کیا ہے لیکن یہاں پر مراد سید الحفاظ امام عبید اللہ بن عبد الکریم ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایات میں ان کے شاگرد سعید بن عمرو البرذعی ہیں اور یہ البرذعی انہی حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات بیان کرتے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء، رقم: ۴۸، أبو زرعه الرازی رحمۃ اللہ علیہ ج:۱۳، ص:۶۵.

صرف یہ کہ مرجئ تھے بلکہ اپنے اس باطل عقیدے کی دعوت بھی دیتے تھے۔ پھر یہ سوال کیا گیا کہ کیا شبابہ بن سوّار بھی ایسے ہی تھے؟ تو انہوں نے فرمایا جی ہاں وہ بھی ایسے ہیں تھے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ کیا شبابہ بن سوّار نے ''عقیدہ ارجاء'' سے رجوع کرلیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا جی ہاں انہوں نے ''عقیدۂ ارجاء'' سے رجوع کرلیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔[1] خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرے کی آخری سطر میں ابومحمد ابن قتیبہ کی کتاب ''المعارف'' سے نقل کرتے ہیں کہ شبابہ بن سوار مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور پھر وفات تک وہیں رہے۔

زیر بحث راوی کے یہ جو حالات ''تاریخ بغداد'' کے حوالے سے سامنے آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (شبابہ) اپنے پہلے عقیدے کے مطابق ایمان صرف زبانی اقرار کو جانتے تھے اور عمل کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے اور بعدازاں جب انہوں نے اپنے اس باطل عقیدے سے رجوع کرلیا تو اھل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق اعمال کی اہمیت کے بھی قائل ہوگئے تھے اور یہ عثمان بن ابی شیبۃ اور ابن شاہین الواعظ کے بعد حافظ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری شہادت ہے کہ انہوں نے ''عقیدہ ارجاء'' سے رجوع کرلیا تھا اور یہاں پر پھر ابن قتیبہ کی کتاب المعارف سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس راوی کا انتقال مکہ مکرمہ ہی میں ہوا۔

---

① حدثنا سعيد بن عمرو البرذعي قال: قيل لأ بي زرعة في أبي معاوية ـ وأنا شاهد ـ كان يرى الإرجاء. قال: نعم، كان يدعو إليه، قيل فشبابة بن سوار أيضاً؟ قال: نعم، قيل: رجع عنه ؟ قال: نعم قال: الإيمان قول و عمل.

(16)

پانچویں صدی ہجری ہی کے ایک مؤرخ اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حافظ ابن ماکولا رحمۃ اللہ علیہ ہیں (از ۴۲۲ھ تا ۴۷۵ھ)[۱] اگر ان کے غلام انہیں شہید نہ کر دیتے تو غالبًا یہ اپنے استاد، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس صدی کے سب سے بڑے عالم اسماء الرجال ہوتے۔ ان کی کتاب ''الإکمال فی رفع الارتیاب عن الموئلف والمختلف فی الأسماء والکنی والأنساب ''سات جلدوں میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد دکن، ہندوستان سے ۱۹۶۵ء میں چھپی ہے جس میں اس راوی کے حالات مذکور ہیں لیکن مؤلف کسی بھی طرح کی کوئی جرح کیے بغیر گذر گئے ہیں۔[۲]

---

(17)

صحیح بخاری اور مسلم کے ''رجال'' پر اُمت نے جو کام کیا ہے اس میں ایک کتاب ''کتاب الجمع بین رجال الصحیحین بخاری ومسلم للکتاب أبی نصر الکلابازی وأبی بکر الأصبھانی'' بھی ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں لکھی گئی

(باقی آئندہ شمارے میں)

---

① ان کی تاریخ وفات کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی وفات کے سال کے متعلق ۴۷۰ھ سے لے کر ۴۸۶ھ تک کے تمام اقوال نقل کیے ہیں۔ سیر أعلام النبلاء. رقم: ۲۹۸، ابن ماکولا رحمۃ اللہ علیہ، ج:۱۸، ص:۵۶۹.

② حرف الشین، باب شبابۃ و شابۃ و سیابۃ، ج: ۵، ص: ۱۲.

ایک یادگار علمی نشست

حافظ سید علی محی الدین

جامعہ اسلامیہ رحمانیہ

مین بازار، ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

(0344-5209738)

''الندوہ'' کا لفظ آتے ہی شائستگی ومتانت، ادب وسنجیدگی، تحقیقی وعلمی ذوق اور تاریخی وادبی گہرائی کی تصویریں ذہن کی سکرین پر جگمگانے لگتی ہیں اور اگر توازن واعتدال، وسعت وجامعیت اور مختلف فکری دھاروں میں قربت وتواصل کو بھی شامل کرلیا جائے تو ندوی عمارت کے عناصر کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

کچھ الفاظ و ادارے بلکہ شخصیات بھی خاصی معانی ومفاہیم کی علامت اور مترادف بن جاتے ہیں دیوبند حریت وآزادی، دینی غیرت وحمیت، علمی وعملی صلابت، تزکیہ نفس واصلاح باطن اور سیاسی فہم وشعور کا نشان رہا۔

جب کہ ندوہ اپنی وسیع الفکری، حکمت ودانش مومن کی گمشدہ میراث کی حکمت عملی، قصۂ قدیم وجدید کو دلیل کم نظری اور ردوقبول میں صالح وفاسد کی تقسیم کے اصول کی وجہ سے بعض معاصر حلقوں میں ملامت اور سوالیہ نشان رہا۔

سردست میرے پیش نظر دیوبند وندوہ کے امتیازات وخصوصیات، مختلف النوع امور میں ان کی حکمت عملی کے نتائج واثرات اور موجودہ حالات میں ندوی فکر وخیال کی مسلسل غیر محسوس انداز میں وسعت پذیری اور فروغ کی وجوہات کا تجزیہ وتنقیح نہیں۔

بلکہ بڑے اور حقیقی ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کے ضمن میں انہیں بنیادوں پر قائم، پاکستان میں ایک نہایت کم عمر ''الندوہ لائبریری'' کا تعارف اور اس میں انعقاد پذیر علمی نشست کے ہلکے پھلکے تاثرات واحوال قارئین تک

پہنچانا مقصود ہیں۔ چھتر، مری اور اسلام آباد کے درمیان قدرتی حسن سے مالا مال ایک صحت افزاء مقام اور تفریحی زبان میں پکنک پوائنٹ ہے۔ ملکۂ کوہسار کی قربت مکانی کی وجہ سے فطری حسن اور دلکش وحسین مناظر سے چھتر کو بھی وافر حصہ ملا۔ بہتی ندی اور گھنے درختوں کی ظاہری ومادی خوبصورتی کے بیچوں بیچ علم وتحقیق کی ایک دنیا ''الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ'' کے نام سے مفتی محمد سعید خان صاحب نے قائم کر رکھی ہے۔

''الندوہ ٹرسٹ'' کے متفرق فلاحی واصلاحی شعبوں کے ساتھ ساتھ اہل علم وتحقیق کے لیے علوم اسلامیہ وعربیہ کے وسیع اور نایاب ذخائر اور ہزاروں کتابوں اور متعدد مخطوطات پر مشتمل، ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی اپنی صفائی اور شگفتگی کے ساتھ قائم ہے۔ جو حقیقی معنوں میں ذوق مطالعۂ اور اسلامی علوم پر تحقیق کے کام کرنے والوں کی پیاس بجھاتا بھی ہے اور اضافہ بھی کرتا ہے۔ اور ہر صاحب ذوق، کتابوں کے اسی جہاں میں داخل ہونے کے بعد مطالعاتی اعتکاف کی نیت کرتا ہے۔

مفتی محمد سعید خان صاحب خود بھی ماشاء اللہ پختہ، ٹھوس علمی استعداد، قدیم وجدید مآخذ ومصادر کا مطالعہ اور وسیع تر واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ دعوتی واصلاحی طرز اسلوب پر مبنی ریڈیائی دروس کی وجہ سے سنجیدہ وتعلیم یافتہ طبقے میں بے انتہا مقبول ہیں۔ خاص طور سے www.seerat.net پر تو اُن کے بیانات دنیا کے ایک سو نو 109 معروف اور متعدد مجہول ممالک میں اُردو دان طبقے میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ سنے جارہے ہیں اور 2011ء میں اس ویب سائٹ پر آنے والوں کی تعداد پچاس لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی یہ تمام تفصیلات اسی ویب سائٹ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اور حیرت کی بات ہے کہ ایف ایم (F.M-100) ریڈیو جیسے فورم پر بھی ان کے خطبات محض عملی واخلاقی موضوعات پر نہیں ہوتے بلکہ عقائد وافکار بالخصوص فرق منحرفہ اور اعتدال سے ہٹے ہوئے نظریات کا علمی نقد واحتساب بھی ہوتا رہتا ہے۔ اکابر علماء بالخصوص حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب پر خصوصی شفقت فرماتے رہے۔ حال ہی میں معروف ومشہور عالمی شخصیت مولانا وحیدالدین

خان صاحب نے اپنے ماہانہ مجلّہ ''الرسالہ'' میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کے طے شدہ دعوے کا انکار کرتے ہوئے ان کے اقوال وتحریرات کی تاویل کی تو جناب مفتی صاحب نے مسلمانان عالم کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے انتہائی جاندار وطاقتور ردّ تحریر فرمایا۔ اس تحریر کا عنوان ہے ''مولانا وحید الدین خان صاحب کی بے خبری یا تجاہل عارفانہ'' اور اُمت مسلمہ کے اس اجماعی مؤقف کی عقلی و دینی اصولوں کی روشنی میں توثیق فرمائی کہ مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت تھا اور اسی وجہ سے وہ اور اس کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں تاوقتیکہ اُس کو نبی ماننے والے اُس کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے دوبارہ اسلامی عقائد پر ایمان نہ لائیں۔ اس مضمون کو ملک اور بیرون ملک سنجیدہ جرائد نے انتہائی معقول و بروقت اور مسلمانوں کی متفقہ آواز قرار دیتے ہوئے نقل کیا۔

''الندوہ لائبریری'' میں وقتاً فوقتاً اہل علم شخصیات کو مدعو کر کے ان کے ساتھ وقت گذارنے کی مجالس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ادبی دنیا میں تو یہ روایت ''شام منانے'' اور ''بیٹھک'' کے نام سے معروف ہے لیکن دینی وعلمی فضائیں اسی تصور وخیال سے کسی قدر نامانوس ہیں۔ حالانکہ شخصیات سے کامل استفادے کے لیے معروف طریقوں سے ہٹ کر، ایسی مجالس بھی بے انتہا مفید ہوتی ہیں۔

اِن منتخب افراد کی ایک ایسی ہی یادگار علمی نشست گذشتہ اتوار ''الندوہ لائبریری'' کے سبزہ زار میں چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، مولانا محمد خان شیرانی صاحب مدظلہم کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید حضرت مولانا قاضی ظہور حسین صاحب، بلوچستان حکومت میں جمعیت کے فقیر منش سابقہ وموجودہ وزراء، مولانا ولی خان المظفر، مولانا سجاد الحجابی (مردان)، مولانا شجاع الملک (امیر جمعیت علمائے اسلام مردان) اور بڑی تعداد میں علماء وطلباء شریک ہوئے۔

مولانا محمد خان شیرانی صاحب کی یہ شہرت پہلے سے سن رکھی تھی کہ وہ اپنی گہری سیاسی سمجھ بوجھ کی وجہ سے جمعیت کا دماغ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی وسیع المطالعہ اور ٹھوس علمی شخصیت بھی ہیں۔

اور راقم السطور نے اسی علمی مناسبت سے کچھ محدود و ناقص سوالات بھی لکھ کر جیب میں رکھ لیے تاکہ اگر مناسب موقع ملے تو اِن کے جوابات مولانا شیرانی صاحب سے گوش گذار کیے جائیں۔ جوں ہی مولانا شیرانی تشریف فرما ہوئے اور مجلس آراستہ ہوئی۔ تو گفتگو علم الکلام میں ذات وصفات باریٰ تعالیٰ کے مسئلے پر چل نکلی اور مولانا شیرانی صاحب کا علمی سمندر بھی ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ تشبیہ و تجسیم کے مشہور اختلافات کی توضیح و تنقیح، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلامی مؤقف کی تصویب اور ان کتب و شخصیات کے حوالے جو چھٹی صدی ہجری سے بھی پہلے گذریں۔ ان تمام عقائد اسلامیہ کے ان مشکل اور دقیق ترین مسائل پر مولانا شیرانی کی گفتگو نہایت جامع، انتہائی آسان و دلنشین تفسیر کے ساتھ، مربوط و منظّم انداز میں، متعین شخصی و کتابی حوالوں کے ساتھ پہلی بار سنی۔ اور اپنے سوالات جیب میں رکھ کر فقط سننے میں ہی خیر نظر آئی۔

مولانا شیرانی کلامی دائرے سے علم السیاسۃ میں داخل ہوئے اور شیعی علم السیاسۃ کے اصول ومبادی پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی وسیع تر معلومات سے نوازا۔

مولانا ولی خان المظفر نے گفتگو کا رُخ دینی تعلیمی نظام کی اصلاح و ترمیم اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کام میں مغربی غلبے اور اثرات کا خاطر خواہ نوٹس نہ لینے، کی طرف موڑ دیا۔ مولانا ولی صاحب کا کہنا تھا کہ مدارس کے کردار کو مزید مؤثر و طاقتور بنانے اور ان کے اثرات کو وسیع کرنے کے لیے بعض تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ ہر دم بدلتے حالات پر گہری نظر ڈالتے ہوئے رائج الوقت تمام تعلیمی نظاموں کا جائزہ لے کر ان کی خوبیوں کو سمیٹتے ہوئے بتدریج اصلاحی و عملی اقدامات کرنا ہوں گے اور اس سلسلے میں عرب اسلامی جامعات کے کلیات سسٹم کو بھی سمجھنے سے کافی حد تک مدد مل سکتی ہے ضمناً انہوں نے بروقت اقدامات و اصلاح نہ کرنے کے عمومی مزاج کی بھی شکایت کی اور اپنا اشکال مغربی مفکرین کے حوالے سے پیش کیا کہ شاہ ولی اللہ کے قابل قدر تجدیدی کام میں یہ خلافِ الواقع محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ عظیم نابغہ انگریزوں کی آہٹ و اثرات کو پیشگی نہ سونگھ سکا اور عملی رکاوٹیں پیدا نہیں کیں۔

مفتی محمد سعید خان صاحب نے ان باتوں کے جواب میں ایک تو اس بات پر اصرار کیا کہ ہمیں اُسی قدیم

درس نظامی کی طرف لوٹنا چاہیے جس درس نظامی کو پڑھ کے اکابر علماء اور اہل علم اُمت میں پیدا ہوئے تھے اور اُس درس نظامی میں بہت کم ترمیم واضافے کے ساتھ، جدید دور کے وہ علماء تیار کرنے چاہییں جو نہ صرف نئے اُٹھتے ہوئے علمی مسائل کا حل دے سکیں بلکہ مغربی فلسفے اور فکر کا بھی توڑ بھی اُن کے پاس موجود ہو اور جو شکایت آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ درحقیقت اُردو لٹریچر میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کام کے حوالے سے یہ اعتراض سب سے پہلے مولانا مودودی صاحب نے ''تجدید احیائے دین'' نامی کتاب میں لکھا تھا اور یہ بھی کتاب نہیں تھی بلکہ یہ وہ مقالہ تھا جو ماہنامہ ''الفرقان'' کے لیے تحریر کیا گیا تھا اور انہیں یہ غلط فہمی خاص اسباب کی بناء پر ہوئی تھی۔

اصل بات یہ تھی کہ حضرت شاہ صاحب نے اوّلاً اپنی بھرپور توجہ ہندوستان کے مسلمانوں کے اُن امور پر مرکوز کی، جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑ چکا تھا اور انہوں نے ہندوستان میں جو بدعتی فرقے سر اُٹھا رہے تھے اُن کے خلاف اپنا قلم استعمال کیا پھر سرحدوں کی حفاظت کے لیے انہوں نے مرہٹوں کی طاقت کو توڑنے کے لیے جو احمد شاہ ابدالی کو مدعو کیا، کیا یہ کارنامہ کچھ کم ہے؟

پھر مجلس میں بات دوسری طرف کو چل پڑی اور کلیۃ المعیشۃ والاقتصاد کی اصطلاح استعمال ہوئی، اس پر مولانا شیرانی صاحب نے حاضرین سے استفسار کیا کہ معیشت واقتصاد کے الفاظ میں کیا نسبت ہے؟

مولانا ولی مظفر صاحب نے جواباً کہا کہ جدید عربی میں یہ الفاظ مترادف استعمال ہوتے ہیں پھر مولانا شیرانی صاحب نے مختصر اور جامع وضاحت فرمائی کہ معیشت کا تعلق انسانی کسب سے ہے اور اقتصاد کا نظام ریاست کے وجود کے ساتھ منسلک ہے۔

کئی گھنٹوں کی اس علمی وفکری نشست میں وقت گذارنے کے ساتھ ساتھ لطف ودلچسپی میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور لمحہ بھر بھی تھکاوٹ اور بے رغبتی کا احساس نہیں ہوا۔ ایسی مجالس دینی حلقوں میں نہایت کم یاب ہو چکی ہیں جن میں اوّل وآخر مسلسل اور مربوط گفتگو، شائستہ وشستہ انداز میں، علمی واختلافی مسائل وموضوعات پر سُننے کو ملیں۔

انتہائی درد دل کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ علم واخلاق میں انحطاط پیدا ہو چکا، حقیقی صحبت صالح کے فقدان کی وجہ سے، دینی حلقوں میں عموماً گفتگو اور کلام صرف تنقید اور اختلاف کے اسلوب میں رائج ہو چکا ہے اور یہ صورت حال قطعاً مثالی اور آئیڈیل نہیں ہے۔ باہمی غلط فہمیاں اور ناچاکیاں، بغیر علم ومعلومات کے گفتگو، اختلافات کے اظہار میں اخلاقی حدود سے تجاوز، وہمی اور خیالی وسوسوں کی بنیاد پر کفر واسلام کے فیصلے، معاصرانہ وحاسدانہ رقابتوں کی وجہ سے ایک دوسرے کی تفسیق وتضلیل، یہ وہ حرکتیں ہیں جو خود ہمیں تباہی کے گھاٹ تک پہنچا رہی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس اسلوب کی پیروی سے اپنے قلم وزبان کو محفوظ رکھتے ہوئے اصلاح وتربیت کا کام کرے اور تکفیر وتفسیق کے اس دنگل میں نہ اُترے تو بہت سے لوگ ایسے مثبت شخص کو خدمت دینی کے لیے قطعی ناموزوں، قرار دیتے ہوئے اُس پر تہمتیں لگاتے رہیں گے۔

یہ ماحول وفضا فکرِ دیوبند وندوہ سے وابستہ تمام شخصیات سے سنجیدہ غور وفکر کا متقاضی ہے۔

مجلس کے اختتامی لمحات تھے کہ دیوبند (وقف) کے مہتمم مولانا قاری محمد سالم صاحب مدظلہم کا فون آیا اور مفتی صاحب نے جو رسالہ ردّ قادیانیت پہ لکھا تھا، اُس پر اُنہوں نے مبارکباد دی پھر حضرت مولانا قاضی ظہور حسین صاحب مدظلہم اور بعض حاضرین نے بھی، حضرت مولانا سالم صاحب مدظلہم سے فون پر گفتگو اور درخواست دعا کی سعادت حاصل کی۔ مولانا سالم صاحب مدظلہم نے مولانا وحیدالدین صاحب کے متعلق مفتی صاحب کے مضمون کی تحسین فرمائی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مفتی صاحب نے نفرت، بغض اور طعن وتشنیع کو چھوڑ کر، ایک علمی جواب مولانا وحیدالدین خان صاحب کو دیا۔

یہ مبارک اور علمی مجلس دن کو ایک بجے سے شروع ہوئی اور نماز مغرب کے وقت اختتام کو پہنچی۔ شرکاء علمی طمانیت کے احساس اور اس اُمید کے ساتھ واپس لوٹے کہ ان مجالس کو، علمی و دینی فائدے کے لیے، باقی رکھا بھی جائے گا اور اِن مجالس میں مزید ترقی بھی آئے گی۔